نسیم احمد نسیم اور عطا شاد۔ کی شاعری کے فنی پہلوؤں کا تجزیہ

شمیم کوثر

Abstract:

Nasim Ahmad Nasim and Atta Shad is great poet of Baluchistan Urdu Literature. In the poetry selection of words and love, truth of spirit and sublime thought, Nasim published one book and Atta tow books in this kind of poetry to show {Haiti Tajerbat, no lafzeyat}. They leading in Baluchistan modern poetry. Always poem has expressed all the situation of paints. The style of the poets is very good so it is hope readers enjoy this kind of poetry.

بلوچستان کے اردو ادب میں تحقیق کے بعد پہلے صاحب دیوان شاعر ملا محمد حسن براہوی قرار پائے ہیں۔ان کے بعد شعری اسلوب کا سلسلہ بڑھتا رہا اور ہر دہائی میں شعراء کی بڑی تعداد نے شاعری کو دوام بخشا۔ بلوچستان کو اللہ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے۔ فطرت مظاہر، پہاڑوں کا لا متناہی سلسلہ، موسموں کا حسن، بر فباری، اور قدرتی رنگوں کے نظارے اس کے حصے میں آئے ہیں۔ یہ مظاہر فطرت اور حسن کے جلوے شاعری میں نظر آتے ہیں۔ڈاکٹر سلطان الطاف علی کے مطابق۔

> "بلوچستان پہاڑوں کے لا متناہی سلسلے قیمتی معدنیات کے ذخائر اور بے آب و گیاہ وادیوں کے نام سے مشہور چلا آرہا ہے مگر اس خطہ میں کثیر اللسان اقوام نشو و نما فاتح چلے آرہے ہیں۔ رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے اور اسے منی پاکستان بھی کہتے ہیں۔ یہاں علم و ادب کے ذوق و شوق کو دور سامانی و غزنوی سے دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔"(۱)

نسیم احمد نسیم کے کلام کا فنی جائزہ:

مختصر مطالعہ احوال۔ بزرگ شاعر نسیم احمد نسیم کا ۱۹۳۸ع میں بھارت کے شہر غازی پور میں جنم ہوا۔اپنے حالات زندگی انہوں نے خود اپنی زبانی (ملاقات بسلسلہ ایم فل ۲۰۰۷ع) بتائے اور وہی اس کتاب کے تعارف میں

درج ہیں۔ان کے والد محمد اختر دیندار، شریف اور سادہ شخص تھے۔ ریلوے ملازم تھے۔ سبی شہر میں تعینات ہوئے توآپ نے وہیں سے تعلیم کا آغاز جماعت ششم سے کیا۔ان کے والد کو کسی تنظیم میں شرکت کے لیے کہا گیا۔ایسا کرنے سے انہیں ترقی مل جاتی لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو انھیں ایک درجہ نیچے کر دیا گیا۔ جس سے تنخواہ کم ہونے کی صورت میں ان کے معاشی حالات بہت اچھے نہ رہے۔آپ نے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کی اور محنت کے بل بوتے میٹرک، ایف اے، بی اے اور وکالت کی۔ایم اے اردو کی تعلیم پروفیسر شمیم احمد اور پروفیسر مجتبی حسین کی مدد سے حاصل ہوئی۔ان کی زندگی کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ ایک محنتی شخص تھے۔مشکلات کا مقابلہ کر کے اپنی منزل کو پا لیا۔ چھوٹی عمر ہی سے شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔

ان کا مجموعہ کلام '' تقدیس گل '' ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔اس کی ضخامت ۲۰۹ صفحات ہے۔ مختلف شعری اصناف کو خوب برتا ہے ۔اس مجموعہ میں ایک حمد باری تعالیٰ ،ایک نعت رسول مقبول ﷺ،ایک منقبت،۱۰۵ غزل،۳۷ نظمیں، ہائیکو ۲۰،اور ۱۹ قطعات ہیں۔انتساب خاندان کے افراد کے نام ہے۔ہیئتی تجربات سے بھرپور کلام، موضوعات میں تنوع اور تصوف کی کیفیت ملتی ہے:

وہ جس نے ایک لفظ کن سے کل عالم کیے پیدا
وہی جو خالق ارض و سما ہے، وہ خدا ہے

کلام میں عشق و حسن کیفیات ہے اور فکری پہلو بھی ہیں:

دنیا تو تباہی کے دھانے پر کھڑی ہے
خاموش ہو کیوں اہل نظر یہ تو بتاؤ
عیب لوگوں میں ڈھونڈنے والے
پہلے اپنا محاسبہ تو کریں
آؤ کہ دل ملائیں کریں ختم نفرتیں
کچھ پر سکوں زمانے کے حالات ہو جائیں

آپ کے جواہر خانے میں رومان، محبوب و عشق و حسن اور صداقتوں کے گہر موجود ہے۔ جسے پڑھ کر سرشاری کی کیفیت چھا جاتی ہے۔ڈاکٹر مظہر حامد لکھتے ہیں:

"شاعر میں جو جذبہ کار فرما ہے وہ عشق ہے۔ غزلیات میں جمال و کمال، سرور و نغمہ اور واردات قلبی کو سحر انگیز حسن بیان میں پیش کرتے ہیں۔۔۔۔ باکمال شاعر کے لیے۔" (۲)

آپ کی شاعری ارفع احساسات کی ترجمان ہے اور تراکیب و تلمیحات و تشبیہات کے استعمال سے نے مزید نکھار پیدا کر دیا ہے۔

تراکیب۔ موج نسیم، جان بہار، وصال یار، ارتباط باہمی، نامہ بر، افراط زر، چشم عنایات، عشوہ دوراں، دل حزیں، چرخ کہن، برق تپاں، سرو سمن، حرص و ہوس، در و بام، جور و ستم، بال و پر، مونس و ہمدم، ذوق و شوق، جام و سبو، لالہ و گل، سنبل و ریحاں۔ محاورات۔ تکیہ کرنا، پشیماں ہونا۔ تکرار۔ موج موج۔ مراکب۔ کار غم حیات، حالات عہد نو، ہوائے صحن چمن، تلمیحات۔ داراو سکندر، آذر، پتھر شکم۔

مے نوش ہوں بلا کا میں پیتا ہوں بے حساب
جام و سبو ہوں اپنے تو پیر مغاں سے کیا

نسیم بے نوا کی شاعری میں
مسائل کے سوار کھا کیا ہے

آپ روایات و اقدار کو فہم و ادراک کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ تہذیب و ثقافت اور انسانی اقدار کو نا صرف اہمیت دیتے بلکہ اس کا تحفظ کر کرتے۔ اس کے لیے انسانی وقار و توقیر ہی اقدار عالیہ کا تحفظ ہے۔ ان کی شاعری میں جابجا یہ خیال نظر آتا ہے۔ وہ روایت سے جڑ کر عصری تقاضوں کو پورا کرتے۔ فیروز ناطق خسرو کا خیال ہے۔

"حمد ہو کہ نعت، غزلیں، نظمیں، ہائیکو قطعات وغیرہ شامل ہیں۔ انھوں نے اپنا ناتا روایت سے ٹوٹنے نہیں دیا۔۔۔ ان کی غزل میں مجھے زبان و بیان کی لطافت کے ساتھ جدید رجحانات کا پرتو بھی دکھائی دیتا ہے۔" (۳)

جملہ اصناف سخن میں شاعر کا اظہار ان کی کہنہ مشقی کو دکھاتا ہے۔ زندگی کے انتشار، شہر آشوب کا بھرپور اظہار کرتے ہیں لیکن کہیں نامیدی کی فضا نہیں ملتی۔ وہ اصلاحی و فلاحی رویے سے معاشرے میں بہتری کے امکانات روشن کرتے ہیں۔ جرات مندانہ تعمیری پہلو ان اشعار میں جھلکتا ہے۔

آگ بوؤ گے زمینوں میں تو اے دیدہ ور د
آدمی نان شبینہ کے لیے ترسے گا

نظم ''عورت'' کے پانچ بند ہیں۔ یہ نظم صنف ترکیب بند میں لکھی گئی ہے۔ ہر بند کے بعد اس شعر کو بار بار دہرایا ہے۔'' عالم ایقان ہستی کا جلی عنوان بھی ہو''۔ عورت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے عمدگی سے الفاظ کا چناؤ کیا ہے۔'' بہار صحن گلشن سنبل و ریحان، متاع حسن عالم نازش خوباں، روشنی، نغمگی، جہان رنگ و بو میں رونقیں، دسترس میں افلاک کی رفعتیں، دم قدم سے ہے دنیا میں رعنائیاں، غرور حسن دوراں مظہر امکاں، کاوشوں سے دنیا میں امن و آشتی، نوع انسانی کو سکھائی شائستگی، بنت زہراء کا تقدس، پیکر مہر و وفا، حرمت انساں، علم و ہنر کا جوہر عرفاں'' ۔ان کی نظم'' اک زمانہ تھا کوئٹہ شہر تھا جنت نظیر'' یہاں کی تہذیب و روایت کی امین ہے۔ اس میں یہاں کی تاریخ سمٹی ہے۔ ماضی اور حال کا تقابلی جائزہ بلاشبہ نا صرف ان خامیوں کو سامنے لاتا ہے جن کی وجہ سے یہاں شہر آشوب کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ساتھ ہی اچھائی کا در بھی کھولتا ہے۔ انھوں نے جمیل الدین عالی کی روایت کو بڑھایا ہے اور دوہے کی صنف کو برتا ہے۔ یہاں پر یہ صنف بہت کم لکھی گئی ہے۔

اک سندر سی ناری مجھ سے جب بھی خط لکھوائے
کچھ لکھوائے کچھ کٹوائے پہروں نیر بہائے

ان کے ہائیکو میں موضوعات معاشرتی ہیں۔ اپنے ماحول کا مشاہدہ کر کے بڑی باریک بینی کے ساتھ اس صنف کو برتا ہے ۔ یہاں پر یہ عام منظر ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ ایک دردناک پہلو ہے۔ غریب بچے کوڑے کے ڈھیر پر بیٹھے کھانے کی اشیاء تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد اس کے ورثہ بجائے سوگ منانے کے جائیداد پر لڑ رہے ہوتے ہیں۔ اسی لیے سیانے اپنی زندگی میں برابر تقسیم کر دیتے ہیں۔ آج کل بچے سے بڑا اس کا بستہ ہے۔ تو آپ نے انہی عوامی و سماجی مسائل کو ہائیکو کا موضوع بنایا ہے۔

۱۔ بھوکے ہیں بچے
ڈھونڈھ رہے ہیں کوڑے سے
روٹی کے ٹکڑے

۲۔ مرنے والے کے
گھر میں جھگڑے ہیں
ترکے ورثے کے

۳۔ کبڑے چلتے ہیں

بستے لادے یہ بچے
جب بھی چلتے ہیں

ڈاکٹر عرفان احمد بیگ لکھتے ہیں:

"نسیم بھائی شاعر ہیں۔ ریڈیو سے اور بعد میں ٹی وی سے مشاعرے پڑھتے تھے اور آل پاکستان مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔"(۴)

عطا شاد۔ مختصر امطالعہ احوال۔ سنگانی سر کیچ مکران میں ۱۹۳۹ء میں جنم لی اور جہان فانی سے ۱۹۹۷ء میں رخصت ہوئے۔ والدین نے نام محمد اسحاق رکھا۔ کلاس میں اسحاق نام کے اور بھی لڑکے تھے۔ تب ان کے والد کے مشورے سے ٹیچر نے ان کا نام عطا محمد رکھ دیا۔ اپنے کلام میں دو تخلص عطا اور شاد لکھتے ہیں۔ آٹھویں پاس کرنے کے بعد تربت سے میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں داخلہ لیا۔ ساتھ ہی ملازمت کی اور ریڈیو سے بھی منسلک ہو گئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے گریجوایشن کیا۔ حصول روزگار کے سلسلے میں کوئٹہ منتقل ہو گئے۔ وہ محکمہ اطلاعات میں ڈائریکٹر اور سیکریٹری رہے۔ ستارہ امتیاز، صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی اور کئی دوسرے اعزازات سے نوازا گیا۔ ان کی وفات پر بلوچستان کے بڑے تعداد میں شعراء نے شعری اسلوب کے ذریعے خراج عقیدت پیش کیا۔ ایوان ثقافت کا آڈیٹوریم اور تربت کالج ان کے نام منسوب ہے۔ یہاں تک کہ ماہنامہ " دستگیر " عطا شاد نامہ کے نام سے چھاپا گیا۔ جس میں ان کے مضامین و کلام، بلوچی کلام کے تراجم، ان کے بارے میں لکھے گئے مضامین، "پرسہ " کے نام سے ادبی و سیاسی شخصیات کے تاثرات شامل کیے گئے۔ اردو مجموعہ کلام، "برفاگ، ۱۹۹۸ء، سنگاب ۲۰۰۱ء ہیں۔ ان کے کلام کو یکجا مرتب افضل مراد نے کیا۔" اب جب نیند ورق الٹے گی "۔ وہ بلوچی اور اردو میں لکھتے رہے۔ ایک کلاسیکل شاعر ہے۔ ان کی شاعری کی لو کبھی کم نہیں ہوئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا سراپا اور زیادہ نکھر کا سامنے آیا۔ ان کی شاعری میں دو طرح کی جھلک ملتی ہے۔ ایک طرف خوشبو کا احساس اور دوسری طرف دکھ غم، فکر مندی۔ ان کے ہاں یہاں کے موسموں کی عکاسی ملتی ہے۔ گلابوں، پھولوں، موسموں، کرنوں، چشموں، خشکابہ، فصل تر، موسم گل، سراب آرا، سرمئی خاموشی، سورج کے گلاب، یاد کی کونپل، تتلیاں، جگنو۔ فطری مناظر کی منظر کشی اور مصوری میں مہارت حاصل تھی۔ وہ کسی نہ کسی حقیقت سے جڑ کر جاندارانہ تصویر پیش کرتے۔ ان کے کلام میں آہنگ، روانی، کرب، دل واردات اور کسی نہ کسی عصری واقعہ یا پہلو کا گوناں گوناں حوالہ ملتا ہے۔

مجھ شاخ برہنہ پہ سجا برف کی کلیاں
پت جھڑ پہ ترا احسان ہی رہ جائے

برفاب کے آشوب میں جم جاتی ہیں سوچیں
اس کرب قیامت میں ترا احسان ہی رہ جائے

فطرت مظاہر کی عکاسی'' کرخسہ '' میں ملتی ہے۔ یہ نظم وادی کرخسہ کے حسن کو پچیس سے زیادہ اشعار میں سمیٹتی ہے۔ ان کے کلام کو معنوی نگاہ سے دیکھیں یا سطحی۔ دونوں میں داخلی اور خارجی رویوں اور ذات کا کرب ملتا ہے۔ شاعری جہاں نو لفظیات میں اہمیت کی حامل ہے وہاں لفظ شناسی بھی عروج پر ہے۔ وہ ادراک و وجدان کے پہلو کو کھونے نہیں دیتے۔ اپنے مخصوص اسلوب کے ساتھ، اپنے ہم عصروں میں نمایاں رہتے ہیں۔ ان کی فکری نہج کا اندازہ ان کے اشعار میں اس وقت کھلتا ہے جب جذبوں کی ترسیل کا حق صحیح طریقے سے ادا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے ہاں انسان اور اس کے جذبات بنیاد بنتے ہیں۔ وہ عشق و محبت، انتظار اور محبوب سے سرگوشیوں کا مزہ بھی لیتے ہیں اور پر آشوب عہد کی دردمند لے بھی بنتے ہیں۔ ان کے ہاں مصلحت نہیں ہے۔ احتجاج ہے تو بھرپور ہے۔ اصل ذائقہ لفظی و صوتی بنت کاری سے ملتا ہے۔

مجموعہ کلام'' برفاگ '' میں نعتیہ کلام، چھے نظمیں، چھے گیت، تیرہ غزلیں اور فردیات ہیں۔ اس کا پیش لفظ بلوچی زبان میں لکھا ہے:

"مشک آنست۔۔ کہ خود ببوندنہ کہ ۔۔۔ عطار بگوید"۔ ترجمہ۔ مشک وہ ہے جس کی خوشبو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

مجموعہ کلام "سنگاب" ۲۰۰۱ء، صفحات ۲۲۴ کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اس میں نظموں کی تعداد زیادہ ہے۔ نظمیں کوہ کا کرب، گلباغ خاک، گل کدہ، سفر کوتاہ اور بہت سی زندہ روایات کا منبع ہیں۔ اس کا دیباچہ پروفیسر سید مجتبیٰ حسین کی تحریر ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

> "یوں لگتا ہے جیسے عطا شاد کا یہ شعری مجموعہ '' سنگاب '' نہیں تپیدن کی فصل اور سوختن کا باب ہے۔ ورق الٹتے جایئے، علامتوں کو ذہن میں رکھیے، شاعر کے گرم نفس کی گھتیاں خود بخود کھلتی جائیں گی۔ نہاں خانہ ء معنی تک رسائی آسان ہو جائے گی۔ پھر یہ رسائی اشعار کے تلازم لفظی پر از سر نو غور کرنے پر مجبور کرے گی اور جب آپ یہ دیکھیں گے کہ آگ اور دھواں اور شعلہ و شرر کے تلازمے بلوچستان کی برف پوش پہاڑیوں کے پیچ و خم اور اس کے کہر آلود زمستانی موسم میں رنگ و نور کا آبشار بن گئے ہیں تو آپ پر لطف و انبساط کا ایسا عالم طاری ہو گا کہ عطا شاد کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف بہر طور کرنا پڑے گا۔" (۵)

تصوف کی فضا میں آپ ﷺ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ نعتیہ کلام:

قلم ستارہ بنے، مہر و ماہتاب لکھے
مگر یہ تاب کہاں، مدح آ بجناب لکھے

پروفیسر مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں:

"عطا شاد کی زبان انفرادیت کے لحاظ سے ان کے معاصرین میں انھیں ممیز کرتی ہے اور یہ سنگلاخ چٹانوں سے پھوٹ کر نکلی ہے اور گھاٹیوں سے بے خوف بہتی چلی جاتی ہے۔ یہ چند لفظوں میں مطالب کے دور دور نصب شدہ خیموں کی طنابیں ایک مرکز پر لا کر کس دیتی ہے۔ اتنی ترکیبیں ان کے ہمعصر کسی اور شاعر کے یہاں اتنی خوش وضعی کے ساتھ شاید ہی ملیں۔۔۔۔۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑا دم خم ہے ان کی شاعری میں۔ ان کے ہاں بڑی طلب، حوصلہ اور سب کچھ جھیل جانے والی توانائی پائی جاتی ہے۔"(۶)

ایک ہی شعر میں چار تراکیب لکھتے ہیں۔ خراباتی دوراں، کنج خراباں، شاخ شب، کوئے ابد، سوئے ازل، ریگ باں، جوئے آب، خراباتی دوراں۔ تلمیحات۔ سقراط، عصائے موسوی، معصوم ایڑھی سے چشمہ پھوٹے۔ نو لفظیات۔ تکیو، ساکنو۔ مراکب۔ شب گریز پا، مہر تیرہ بختاں۔ صنف متضاد۔ ہم فقیر کیا جانیں کیا برا ہے، کیا اچھا، رات باقی ہے دن نکلتا نہیں، جو اپنے نفع میں، میرے ضرر کی سوچتے ہیں۔ تلمیحات۔ سقراط، دست مسیحا۔ تشبیہ۔ دل ہے کیا طفل۔ صنف تکرار۔ گلوں کا فرش تھا اور گام گام صحرا تھا۔ گرم گرم خوابوں میں، لہر لہر کھلتا ہے۔ اس شعر میں تکرار کا حسن اور بھی زیادہ ہے:

سنبھل سنبھل کہ ڈھلکنے کو ہے ترا آنچل
گری گری تری زلفوں کی آب شار گری

احتجاج و استحصال کے خلاف جنگ لڑتے ہیں۔ ان کی مختصر نظم پانچ مصرعوں کی '' حکم حاکم'' میں یہی پہلو ہے ۔ سرداری نظام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح چار مصرعوں کی نظم '' تین کے بعد نو'' ان کی نمائندہ نظم ہے۔ اس میں اس جبری نظام کے خلاف قدم اٹھانے کی خواہش ہے۔ جس میں انسانیت پس رہی ہے۔ اس شعر کے بارے میں عطا شاد کا کہنا ہے:

سیلاب کو نہ روکیے، رستا بنایئے

کس نے کہا تھا، گھر لب دریا بنایئے

"اس شعر کا ایک سیاسی پہلو ہے، ایک سیاسی پس منظر ہے۔ میں نے اس پس منظر کو جمالیاتی پہلو دے کر شعر کا قالب دیا ہے۔ پورا ملک میرا گھر ہے، اس گھر میں ہر فرد کو بولنے کا حق ہونا چاہیے ۔، اپنی رائے دینے کا حق ہونا چاہیے۔ اس شعر میں میں نے یہ بات کہی ہے۔"(۷)

ان کے ہاں ہیتی تجربات زیادہ نہیں لیکن جدت فکر اور رجائی انداز کی شدت ہے۔ وہ گزرے عہد کی باز گزشت کو جدت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں معاملات حسن و عشق ہیں تو غزل ایک نئے جہان معنی سے ملتی ہے۔

ہونٹوں کا عکس، روپ کا رس، جسم کا طلسم

کیا کیا اسے تراشیے، کیا کیا بنایئے

محرومی کا احساس اور پر شکوہ لہجہ ان اشعار میں لیکن ساتھ ہی غنائی کیفیت ہے جو انہیں اساتذہ شعراء کی صف میں لے جاتی ہے۔

پارساؤں نے بڑے ظرف کا اظہار کیا

ہم سے پی اور ہمیں رسوا سر بازار کیا

جذبوں میں سچائی ہے۔ وہ سچائی کے ساتھ افکار سنجیدہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ نئی جہت کو متعارف کرتے ہیں۔ تہذیب و ثقافت کی عکاسی نظم'' گل کدہ'' میں کی ہے۔ یہ مہر گڑھ کے آثار قدیمہ کا ایک تاثر ہے۔ گزرے عہد کے تقاضوں سے شناسائی ہے۔ اس کے ۳۷ مصرعے ہیں۔ ان چھوٹے بڑے مصرعوں میں ردھم اور موسیقیت کی جھلک ہے۔ اس میں الفاظ کے چناؤ میں پختگی ہے۔ توازن کے ساتھ ہر رویے کو نبھاتے ہیں۔ ان کے ہاں نظم کا اپنا ہی رنگ ہے۔ پس منظر میں تہذیبی رچاؤ اور تہذیبی بازیافت کا عمل ایک گزری تاریخ کو دہراتا ہے۔ فارسی، بلوچی، عربی زبان کے الفاظ کا امتزاج ہے۔ صدا و صوت، بے انت فاصلہ، امروز، بصیرتوں کا ہمک۔ کتاب ماضی کا ورق ورق الٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ گل کدہ ایک علامت ہے۔ عہد نظر گزشتہ کی روشنی کی۔ جس میں مقابروں میں سوئے ہوئے آگہی کے افسانے ہیں۔ کبھی گزرتے قرنوں کے کارواں اور ان کے سواروں کی راہواروں کے نقش ہائے سفر کشیدہ ، ظفر کشیدہ ہیں۔ اس میں سبزہ مہکا تھا، لہلہاتی فصلیں تھیں۔ آخر میں سوال کرتے ہیں۔ وہ کہاں ہیں "جو نقطہ حیات کی آیتوں میں معنی مثال اترے، وہ روز فردا کی روشنی کے قدیم فرزند تیرگی کے فرزند۔ سماجی شعور نئی دریافت کے امکانات کا سلسلہ بنتا ہے۔

سماجی تلخیاں۔ طبقاتی اونچ نیچ میں جبر و استدلال کا شکار انسان، چیختی چلاتی زندگی اور مسائل حیات ہیں۔

وہ جو گرد راہ گزر تھے، وہی منزلوں کے مدار تھے
ایک اجاڑ دشت کے ساکنو، مرا گھر گیا، مرا گھر گیا
جو بے خطا کا لہو تھا وہ کیا لہو ہی نہ تھا

نظم ''آدمی'' میں لفظوں سے کھیلنے اور ان کو مناسب جگہ پر ٹکانے کی مہارت ان کے فنی سفر کو بلند کرتی ہے۔اس نظم کے خیال کو لفظوں میں پیش کیا گیا ہے۔ جن کی تعداد ۴۸ ہے۔اس کی صنف مستزاد کے قریب ہے۔آخر میں لکھتے ہیں:

آدمی۔۔۔ظرف زمین ساز سہی
آدمی۔۔۔۔دامن پندار تہی

بلوچستان ایک مخصوص خطہ ہے جس کی اپنی روایات و بود و باش ہے۔آپ نے ان کو اشعار میں علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ یخ بستہ، برف کا انسان، سورج، الاؤ، موم کا مکان، دھوپ کی تمازت، سبزہ عریاں نہ ہوا برف کے پگھل جانے سے انھوں نے نثری اسلوب بھی اردو ادب کو دیا ہے۔ان کے مضامین'' بلوچی ادب۔۔۔آزادی کے بعد ۱۹۸۳ع ،بلوچی دنیا میں چھپا اور ''بلوچی ادب'' ۱۹۹۲ع ادبیات اسلام آباد میں شائع ہوا۔ان مضامیں میں بڑی تفصیل کے ساتھ بلوچی زبان، اس کی تاریخ، مختلف علاقوں کا تعارف، نظم، گیت، لوک کہانیوں عشقیہ و رزمیہ شاعری، شعراء کا تعارف، ریڈیو پاکستان کی خدمات، بلوچی اردو لغت، جدید نثری ادب، ارتقاء و آغاز، بلوچی ماہناموں کی تفصیل بیان کی ہے۔ان کی ابتدائی دور کی غزل کا ایک شعر (بولان کالج میگزین ۱۹۵۸ع):

یہاں چشم غم کی شبنم، یہاں خون دل کی لالی
یہ نمود صبح یارب، کبھی شام تک نہ پہنچے

ان کی آخری غزل کا شعر:

دروازہ کھلا رکھنا تھا، برسات سے پہلے
ہم، تم سے شناسا تھے، ملاقات سے پہلے (۱۹۹۶ع)

نسیم احمد نسیم اور عطا شاد کے کلام کا تقابلی تجزیہ۔ہر دور میں شعراء کے ہاں زبان و بیان کے سانچے مختلف ملتے ہیں۔اس کی سوچ، انداز تحریر، قوت مشاہدہ اور انداز بیان مختلف ہوتا ہے۔ شاعر معاشرے کی روایات، تلخیاں اور سماجی حقائق کو نظر انداز نہیں کرتا۔وہ شاعری میں نئے افکار و محرکات کو لاتا ہے۔ یہ دونوں شعراء ہم عصر ہیں۔ لیکن فن پاروں میں ان دونوں نے اپنی الگ شناخت، پہچان اور مقام کا تعین کرایا ہے۔دونوں نے موضوعاتی تنوع، زبان و بیان

،استعارے و علامات، تراکیب کے استعمال اور آہنگ میں رنگارنگی کے پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ دونوں نے محبوب کے حسن و عشق کے قصے لکھے ہیں لیکن انسانی جذبوں کا آہنگ اور اس کے الم کی بھی ترجمانی کی ہے۔ انسانی استحصال اور معاشی و معاشرتی تضادات کو عطا شاد نے زیادہ لکھا ہے۔ وہ سرداری نظام اور بنیادی حقوق نہ ملنے اور غربت و جبر کی چکی میں پسی انسانیت کو موضوع بناتے ہیں۔ وہی شاعر اپنے ہم عصروں میں مقام پاتا ہے جو اپنے عہد کا ترجمان ہو، اپنے ماحول کا مکمل عکاس ہو تب ہی وہ تشنگان فکر و فن کی پیاس کو اپنے کلام کے جام سے بجھا سکتا ہے۔ دونوں کے بیان میں شگفتگی اور دلکشی ہے۔ ان کی تخلیقی خوبیاں انھیں شاعری میں غالب کرتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ انسان اور اس کے مسائل کو صداقت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کی سرشت میں شعر گوئی کا فن تو موجود ہے۔ انھوں نے اپنے حسن تکلم ،خوبیوں اور بلند آہنگ سے اپنے جوہر سامنے لائے ہیں اور جذبوں سے جوڑا ہے۔ دونوں نے عصری تقاضوں کو نبھایا ہے۔ ان کی ان خوبیوں نے لکھنے کے عمل کو فزوں تر بنایا ہے۔ وہ واقف ہیں کہ آج کا انسان کئی جہتوں کا قیدی ہے۔ وہ اس کی پہچان اور دلی آسودگی کو طشت از بام لانے کے لیے معاشرے اور ماحول کا مشاہدہ ہی نہیں کرتے تحقیق کا رویہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ دونوں شعراء حقیقی زندگی کا عمیق مشاہدہ اور رموز حیات کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ انھوں نے معاشرے کی تلخیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ پھر بھی دونوں کے انفرادی جوہر کے جلوے ان کی شناخت الگ الگ کرتے ہیں۔ دونوں کا ادبی معیار ان کی آدرش کو بلندی دیتا ہے۔ جدت پسند سخن گو شعراء نے فکر کے نت نئے در وا کیے ہیں۔ سادگی، عصری آگہی، آفاقیت اور غنائیت دونوں میں نمایاں ضرور ہے لیکن ایک دوسرے کے نقال نہیں۔ ان کی گرفت اپنے اپنے انداز میں مضبوط ہے۔ بلوچستان کی ادبی تاریخ کو ان دونوں شعراء نے عروج دیا ہے۔

حوالے:

(۱) ڈاکٹر سلطان الطاف علی، مشاہیر بلوچستان، ۲۰۱۶ء، ص ۱

(۲) ڈاکٹر مظہر حامد، تقدیس گل، ص ۱۳

(۳) فیروز ناطق خسرو، ایضا، ص ۱۴

(۴) ڈاکٹر عرفان احمد بیگ، تقدیس گل، آخری صفحہ

(۵) ڈاکٹر فرمان فتحپوری،، سنگاب، ۲۰۰۱ء، ص ۲۶

(۶) پروفیسر مجتبیٰ حسین، ایضا، ص ۱۵

(۷) عطا شاد، سہ ماہی، دستگیر، کوئٹہ، ص ۸۹